ممتاز مفتی پر صوفیانہ اثرات

سیدہ طیبہ رباب

اسسٹنٹ پروفیسر اردو

گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین، داتا نگر، لاہور

MYSTIC IMPRINTS ON MUMTAZ MUFTI

Syeda Tayyeba Rubab
Assistant Professor of Urdu
Govt. Degree College (W) Daata Nagar, Lahore

Abstract

Mumtaz Mufti is one of the great writers of Urdu. He was basically a novelist and short story writer but afterwards he turned to spiritual themes. He met with some saintly personalities in his life but he was never impressed by them. His mysticism got impetus only in the Quduratullah Shahab's company which got reflected in his famous books *Labbaik*, *Alakh Nagri* and *Tlash*. He enjoys his relation with Allah and expresses it in a literary style which has been very much appreciated by the literary circles. According to *Alakh Nagri* this great writer has been honored with spiritual rebirth. In this article an effort has been made to analyze the spiritual journey of Mumtaz Mufti.

Keywords:

ممتاز مفتی، قدرت اللہ، خواجہ جان محمد، کائنات، الکھ نگری، لبیک، لاہور

ممتاز مفتی کی نثر رُوحانی واردات کا دلچسپ مرقع ہے۔مفتی کے منفرد اسلوب سے اس کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔ایک دلچسپ پُر اسراریت جو مفتی کی زندگی میں نظر آتی ہے وہ اسے کبھی اپنی شخصیت کا حصہ نہ بنا سکے جس سے ان کا سفر طویل ہوتا چلا گیا۔لیکن اس پُر اسراریت سے مفتی کی دلچسپی اور تجسس اُردو ادب کو بہت کچھ دے گیا۔اگر وہ اسے جذب کر سکتے اور راز کو راز ہی رکھتے تو ان کا سفر آسان اور نتیجۃً شخصیت بھی بڑی ہوتی لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔شاید خدا نے ان کے قلم سے آشکار ہونا چاہا اور جو قوت ان کی شخصیت میں نہ سما سکی تھی،ان کے قلم میں سما کر دنیائے ادب پر چھا گئی۔

مفتی عمر بھر شعوری طور پر ایک انجانی روشنی کی تلاش میں پھرتا رہا۔ایک انجانی سمت اسے اپنی طرف کھینچتی رہی۔ایک انجانی قوت اسے دھکیلتی رہی۔انجانے رہنما ملتے رہے اور بالآخر یہ انجانے راستے مفتی کے جانے پہچانے بن گئے۔اس کی خاک کوئے محبت میں آسودگی پا گئی اور آفاق کی وسعت بالآخر مفتی کے اندر سما گئی۔طوفان کے تھپیڑے اپنا اثر دکھا گئے۔مفتی واقعی ممتاز ہو گیا اور اس کا امتیاز ایک ایسے نقطے پر پہنچ گیا کہ جہاں سے عام طور پر نہ تو اہلِ ادب کا گزر ہوتا ہے اور نہ ہی وہ عام طور پر قابلِ فہم ہے۔

مفتی ابرِ کرم کی لپیٹ میں ہے بھٹکنا چاہتا ہے تو وہ قوت اسے بھٹکنے نہیں دیتی۔دراصل مفتی ایک مجسم وقت کے تابع رہ چکا ہے اور یہی اس کا مزاج ہے لیکن اب اس کا سفر آگے بڑھ چکا ہے اور مجرد کا تجربہ ہو کر رہے گا ایسی صورت میں رومی ٹوپی والا صاحبِ مزار اسے ہانکے لے جا رہا ہے۔مفتی کی شخصیت ایسی ہے کہ وہ کسی قلبی اور روحانی کیفیت کو ظاہری سہارے کے بغیر قبول نہیں کرتا۔اس لیے قدرت اس کے لیے ''قدرت اللہ'' کا انتخاب کرتی ہے اور مفتی کی زندگی ایک نئے دور میں داخل ہو جاتی ہے۔اگرچہ دور''شہزاد'' کی وفات کے بعد شروع ہو چکا ہے لیکن اس کی عملی صورت قدرت اللہ شہاب سے ملاقات کے بعد سامنے آتی ہے۔اب قدرت اللہ شہاب مفتی کی زندگی کا مرکز و محور ہے۔مفتی کی زندگی بلکہ تحریروں میں بھی اللہ کو بڑی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔''الکھ نگری'' میں مفتی جس طرح قدرت کی روح کے تاروں کو چھیڑتا ہے یہ اسی کی طرزِ خاص ہے جو شاید قدرت اللہ شہاب کے لیے باعثِ اذیت ہو لیکن قاری کی دلچسپی کا باعث ہے۔یہ طرزِ خاص قاری کے دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور ایک پُر اسراریت روح کا گھیراؤ کر لیتی ہے۔قاری کا تجسس بڑھتا چلا جاتا ہے اور ''قدرت'' کے پردے اُٹھتے چلے جاتے ہیں۔قدرت اللہ، اللہ کی قدرت کا ایک مظہر بن جاتا ہے۔قدرت اللہ اپنے آپ کو چھپانا چاہتا ہے تو مفتی کا تجسس اور بڑھ جاتا ہے۔قدرت کی زندگی کے پوشیدہ گوشے سامنے آتے ہیں۔جن کا ذکر خود قدرت اللہ نے ''شہاب نامہ'' میں نہیں کیا۔

ڈاکٹر عفت ایک غیر معمولی خاتون ہے۔اس کی دوریشی صبر واستقامت اور جاں نثاری کا سکہ دلوں پر بیٹھ جاتا ہے۔کبھی کبھی ڈاکٹر عفت تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے مفتی کے تجسس میں شریک ہو جاتی ہے۔وہ مفتی سے وعدہ کرتی ہے کہ اگر شہاب کے بارے میں کچھ جان سکی تو مفتی کو ضرور بتائے گی اور پھر ہالینڈ جاتے ہوئے مفتی اور عفت کا مکالمہ خاص دلچسپی کا مرکز بن جاتا ہے اور مفتی صاحب کا بے ساختہ طرزِ تحریر دلوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔چونکہ یہ مکالمہ مفتی صاحب کے تجربے اور تجسس پر مبنی ہے، اس لیے ایک خاص تاثیر کا حامل ہے، جو روح کی گہرائیوں میں اُتر کر نفسِ ابدی کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور پھر مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ مجھے نہ جاننا نصیب ہوا، نہ ماننا ایک امرِ محال سا معلوم ہوتا ہے کیونکہ جانے بغیر یہ تحریر وہ لکھ نہ سکتے، اور مانے بغیر اس میں تاثیر پیدا نہ ہوتی۔مفتی بزرگی سے خائف ہے، خود کو چھوٹا کہے تو لگتا ہے کہ بڑوں کا مذاق اُڑا رہا ہے اور اس کا احساسِ کمتری احساسِ برتری معلوم ہوتا ہے۔

ان کی تحریر ایک خاص تاثیر کی حامل ہے جس میں جذب وخلوص کی آمیزش ہے۔اس حوالے سے ''لبیک'' ان کا اوّلین شاہکار ہے۔اس رپورتاژ میں مفتی کے گہرے تاثرات ایک زود حس ادیب کے سچے تجربے اور نا قابلِ فہم مشاہدے کا پُراثر بیان ہیں۔ناقابلِ فہم ان معنوں میں کہ کچھ لوگوں نے ان کی باتوں کو بعید از فہم قرار دیتے ہوئے ان سے اختلاف کیا ہے۔یہ تو ممتاز مفتی کا مرحلۂ شوق تھا کہ انھوں نے یہ باتیں بیان کر دیں ورنہ باطن کا راستہ تو ہوتا ہی نا قابلِ فہم ہے۔اس کا کوئی سائنسی طریق کار نہیں، کوئی منطق نہیں کوئی کلیہ نہیں جس کی مدد سے اسے جانچا جائے یہاں تو صرف مان لینے کی اہمیت ہے۔خود مفتی کو بھی بقول خود مان لینے میں بڑی دقت کا سامنا ہوا لیکن آخرکار مان گئے۔لبیک کا مرکز ومحور قدرت اللہ شہاب کی شخصیت ہے۔کچھ مافوق الفطرت واقعات نے مفتی کے اندر حج کا شوق پیدا کیا۔فوارہ چوک کے مست نے حج کی خوشخبری دی اور ساتھ ہی مفتی کو ریزگاری تھما دی کہ تم نے حج پہ جانا ہے رکھ لو پھر انھیں کثرت سے حج کے خواب دکھائی دینے لگے لیکن شوق کے باوجود تین سال تک رُکاوٹیں آتی رہیں جب مایوس ہو گئے تو حج کا پروگرام بن گیا۔مفتی، قدرت اللہ شہاب اور ڈاکٹر عفت کے ہمراہ عازمِ سفرِ حج ہوئے جب چلے تو مفتی کو رسولِ پاک ﷺ کی زیارت کا شوق تھا۔اللہ سے ان کے راہ ورسم کچھ خاص نہ تھے۔مفتی نے اپنے دوست سے کہا کہ ''مجھے اللہ سے کیا لینا دینا ہے، البتہ جی چاہتا ہے کہ مدینہ منورہ میں حاضری دوں۔حضور اعلیٰ ﷺ کو سلام کروں۔''(۱) ایک سفید ریش بزرگ یہ بات سن رہے تھے۔رنجیدگی سے بولے ''آپ کو رسول اللہ ﷺ سے اتنا لگاؤ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے متعلق جو کلمات آپ نے کہے ہیں اگر حضور ﷺ سن لیتے تو انھیں کتنا دُکھ ہوتا۔کیا آپ کو اس بات کا اندازہ ہے؟''(۲) پھر یہ آواز احساس بن کر کائنات میں ہر طرف پھیل گئی اور مفتی کو اپنے اندر اور باہر سے یہ صدا سنائی دینے لگی ''انھیں کتنا دُکھ ہوتا۔انھیں کتنا دُکھ ہوتا۔'' مفتی کی ساری متصوفانہ تحریریں اسی شدتِ احساس کی مظہر ہیں۔اسی باعث لبیک کو غیر معمولی

پذیرائی بھی ملی ''پہلے ممتاز مفتی اپنے قلم کی تیز نوک سے نفسِ انسانی کے پیاز سے چھلکا چھلکا اُتار کر اس کا دروں دیکھنے کے شوق میں مبتلا تھے۔اب ان کے شغف میں ذرا سی تبدیلی واقع ہوئی ہے اور آج کل وہ رُوحِ انسانی پر سے مرئی اور غیر مرئی پردے اُتار کر پردوں کے پیچھے چھپے ہوئے راز کو فاش کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔''(۳) مفتی رُوحِ انسانی کے مشاہدے کے لیے شہاب کا انتخاب کرتے ہیں اور حج کے ہر ہر مرحلے کو قدرت اللہ کی شخصیت کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ممتاز مفتی ایک مادی پیکر کے عادی ہیں وہ سالہ سال عشقِ مجازی کے اسیر رہے اور محبوبہ کے ہاتھ پاؤں کی پرستش کرتے رہے۔اب ان کی محبت مجاز سے حقیقت کا سفر کر رہی ہے لیکن ایک مادی پیکر کی حاجت انھیں اب بھی ہے جسے دیکھ کر وہ حق الیقین کی منزل کو پانے کے آرزو مند ہیں۔سو یہ ان کی خوش قسمتی ہے کہ شہاب کی صورت میں یہ پیکرِ خاکی انھیں میسر ہے جنھیں وہ حضورﷺ کے ادنیٰ غلام کا مقام دیتے ہیں لیکن قدرت اللہ نے ان کی توجہ خود سے ہٹا کر کالے کوٹھے کی طرف مبذول کروا دی ہے۔مفتی کو اس کوٹھے سے والہانہ عقیدت ہے وہ اس کی منڈیر پر اللہ میاں کو دیکھ رہے ہیں جو زائرین کو جھانک رہا ہے۔مفتی پہ وارفتگی طاری ہو جاتی ہے اور وہ دیوانہ وار کالے کوٹھے کے پھیرے لے رہے ہیں۔مفتی اپنے اور اللہ کے درمیان کسی کو برداشت نہیں کر رہے۔رہبر کو پہلے پھیرے میں ہی رُخصت کر دیتے ہیں اور خود کتاب سے دیکھ کر طواف کی دُعا پڑھتے ہیں پھر انھیں کتاب بھی رُکاوٹ محسوس ہوتی ہے اسے بھی رکھ دیتے ہیں۔''مشاہدۂ حق کی یہ محسوساتی لذت اور جذباتی کیفیت، ذات وصفات کے عالمانہ، سرد الفاظ میں کہاں ملے گی۔مفتی محسوسات کا عکاس اور اشارات کا رسیا ہے۔سیدھی اوپری بات اسے نہیں بھاتی۔''(۴) جب تک مکے میں قیام ہے کالا کوٹھا ان کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے جب طوافِ وداع کا وقت آتا ہے تو مفتی صحنِ حرم میں بیٹھ کر مشاہدہ کرتے ہیں کہ اللہ میاں حرم کے ہر گیٹ پر بیٹھا ہے اور جانے والوں سے کہتا ہے کہ مجھے ساتھ لے جاؤ لیکن لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں ہیں وہ تو ثواب کی گٹھڑیاں اُٹھائے وداع ہو رہے ہیں۔اللہ میاں انھیں جاتے ہوئے حسرت سے دیکھ رہا ہے۔یہاں مفتی انسانی فطرت کی عکاسی کر رہے ہیں کہ لوگ عبادات تو کر لیتے ہیں لیکن اللہ کو ساتھ رکھنا پسند نہیں کرتے ظاہر ہے کہ جب وہ ساتھ ہوگا تو ساری زندگی اس کے حکم کے مطابق گزارنا ہوگی ورنہ وہ ساتھ نہیں رہے گا لیکن اس کام کے لیے کوئی آمادہ نہیں گویا لوگ اپنی خواہش کی پرستش کرتے ہیں وہ ہمہ وقت اللہ کو ساتھ نہیں رکھ سکتے ان کے پاس اتنا وقت نہیں۔اسی احساس کو ممتاز مفتی نے مجسم کر کے اپنے منفرد انداز میں بیان کیا ہے۔شاید اسی وجہ سے کچھ ناقدین نے ان کی مخالفت کی ہے جیسا کہ نذیر احمد کہتے ہیں ''یہ بات تو قابلِ فہم ہے کہ افراد اپنے شعور یا اپنی بصیرت کی وسعت یا تنگدستی کی بنا پر کم مرتبہ یا بلند مرتبہ ہوتے ہیں، مگر ان کو پُراسرار محسوسات کے حوالے سے درجوں میں تقسیم کرنا اور زندگی کی پوری ڈگر کو ان کا مرہونِ منت قرار دینا کہاں تک صحت مند رویہ ہے۔میری سمجھ میں نہیں آتا۔''(۵)

لیکن مفتی نے اللہ اور رسول ﷺ کی فنی تکنیک کے ساتھ جو افسانوی تشکیل کی ہے نذیر احمد اس کی داد بھی دیتے ہیں۔

ممتاز مفتی کی کالے کوٹھے سے اس قدر وابستگی ہو جاتی ہے کہ وہ مکہ چھوڑ کر مدینہ نہیں جانا چاہتے ''حرم شریف کے دروازوں پر، مکے کی گلیوں میں، کوچوں میں، سڑکوں پر، اللہ نے چاروں طرف سے میرا محاصرہ کر رکھا تھا۔ میں اس سے یوں بھرا ہوا جاتا تھا جیسے مالٹا رس سے بھرا ہوتا ہے۔ مجھ میں کسی غیر کی گنجائش نہ رہی تھی۔ میرا جی چاہتا تھا قدرت اور ڈاکٹر عفت مجھے وہیں چھوڑ کر مدینہ منورہ چلے جائیں اور میں مکے کی گلیوں، بازاروں اور سڑکوں پر گھومتا پھروں اور ان کا نظارہ کرتا رہوں۔''(۶) مفتی نے حج کی لحہ بہ لحہ داستان کیف و مستی کے عالم میں تحریر کی ہے۔ اگر کوئی صاحبِ دل ان باتوں کی حقیقت کو نہ بھی پا سکے تو بھی ان کی تردید ممکن نہیں ''کسی جگہ بھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ مفتی جان بوجھ کر کوئی بات ہمیں گھڑ کر سنا رہا ہے۔ بلکہ یوں لگتا ہے کہ جیسے کوئی بے خود اور بے حال آدمی جذبے اور سرشاری میں ڈوبا ہوا اپنی آپ بیتی سنا رہا ہے۔''(۷) اس میں کوئی شک نہیں کہ لبیک کی تاثیر اور مقبولیت میں قدرت اللہ کی شخصیت کے بیان کا بڑا حصہ ہے کیوں نہ ہو جب قدرت اللہ پر اللہ کے بہت سے انعام ہیں، جن میں سے مفتی کو بھی اپنی بساط کے مطابق حصہ ملتا ہے تو یہ مفتی کی خوش قسمتی ہے وہ اپنے حصے کا انعام اپنے قارئین تک عام کر دیتے ہیں۔ وہ شہاب کے بغیر مسجد الحرام اور مسجد نبوی جانے کی ہمت نہیں پاتے شہاب ان کا بہت بڑا مشاہدہ ہے۔ وہ شہاب کے انگ انگ کو جسمانی اور روحانی طور پر عشقِ خدا اور عشقِ رسول ﷺ میں شرابور دیکھتے ہیں۔ حج میں وہ قدرت اللہ کی حضوری کو اپنی حضوری سے مختلف گردانتے ہیں۔ مسجدِ نبوی میں رسولِ پاک ﷺ سے رخصت کی اجازت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ مردِ آہن کی ملاقات قدرت اللہ اور مفتی دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے وہ دونوں ان کی محبت، مہربانی، ضبط اور وقار کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ مردِ قدیم صرف ان دونوں سے ملنے اور انھیں وداع کرنے آئے ہیں ''ان کے وجود سے شفقت کی شعاعیں یوں نکل رہی تھیں جیسے زمین سے کششِ ثقل کی لہریں نکلتی ہیں۔ ان کے ہاتھوں، بازوؤں اور آنکھوں سے جذبۂ ہمدردی کے بھبھاکے اٹھ رہے تھے۔ انھوں نے بازو پھیلا کر مجھے آغوش میں لے لیا اور قریب تر کھینچ لیا۔ پھر انھوں نے بازو پھیلایا اور قدرت کو کھینچ کر قریب تر کر لیا۔''(۸) حج کے ایک سال بعد مفتی پر یہ راز کھلا کہ وہ مردِ قدیم شہدائے بدر میں سے تھے۔ مفتی اپنے احساسات پوری جزئیات کے ساتھ بیان کرتے ہیں وہ اللہ کو سرِ عام ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ ذوالفقار احمد تابش نے ان پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ جس راز میں انھیں شریک کیا گیا تھا وہ انھیں راز ہی رکھنا چاہیے تھا لیکن راقم الحروف کے خیال میں شاید انھیں اسی لیے شریک کیا گیا تھا کہ وہ بیان کر دیں۔ اس تحریر سے کتنے ہی تشنہ دل سیراب ہوئے یہ بھی مدِ نظر رکھنا چاہیے۔ ویسے بھی اللہ میاں ممتاز مفتی

کو اچھی طرح جانتے تھے۔ انھیں تو پتہ تھا مفتی ضرور بیان کر دیں گے سو اگر انھیں نا پسند ہوتا تو مفتی کو شریک نہ کرتے۔ آخر میں ممتاز مفتی نے کالے کوٹھے کی کشش کو کس والہانہ انداز میں بیان کیا ہے کہ جب کبھی میں زندگی سے اکتا جاؤں تو کالا بے ڈھبا کوٹھا کہتا ہے۔

''آؤ ایک بار پھر میرے گرد آ کر گھومو۔ ایک بار پھر میرے گرد پھیرے لو۔ کب آؤ گے ہم انتظار کر رہے ہیں۔'' ''نہیں نہیں میں چیخ کر بھاگ اٹھتا ہوں، میں نہیں آؤں گا، میں پھیرے نہیں لوں گا۔'' ''مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے پھر حاضر ہو کر پھیرے لیے تو میں کبھی واپس نہیں آؤں گا بلکہ وہیں ابد تک یوں گھومتا رہوں گا جیسے خلا کا سیارہ ہو۔''

''نہیں نہیں میں پھر نہیں جاؤں گا، نہیں جاؤں گا، میں لذت پرست نہیں بنوں گا۔'' ''کالے کوٹھے کے گرد پھیرے لینا'' سے بڑھ کر کوئی لذت نہیں، کوئی نشہ نہیں، کوئی کیف نہیں۔''(۹) ممتاز مفتی کے اس بیان میں بھی صداقت ہے۔ وہ کئی بار اعتراف کر چکے ہیں کہ میرے اندر مجذوبیت کا عنصر ہے۔ یہاں بھی انھیں یہی خوف دامنگیر ہے اور ساتھ ہی ایک سالک کے مقام کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں کہ جہاں اسے روحانی لذت میسر ہوتی ہے لیکن اس کی کامیابی اس لذت سے دامن بچا کر آگے گزر جانے میں مضمر ہوتی ہے۔ اعتراضات کے باوجود جو مقبولیت لبیک کے حصے میں آئی وہ ادبی نثر کی تاریخ میں کسی اور کتاب کو نصیب نہ ہوئی۔ یہ رپورتاژ سیارہ ڈائجسٹ میں چھپ چکا تھا۔ بعض عناصر نے بڑی مخالفت کی اور اسے بند کرنے کو کہا لیکن پھر قاسم محمود کو اتنی کثرت سے پسندیدگی کے خطوط ملے کہ دوبارہ لکھنے کی فرمائش کی۔ ممتاز مفتی کا اللہ سے اندازِ محبت عوام کو بہت پسند آتا۔ خود کہتے ہیں کہ ''جب آقا اس قدر مہربان ہو تو بندہ فرطِ محبت سے سرشار ہو کر لاڈ کرنے لگتا ہے اس رپورتاژ میں، میں نے بھی جگہ جگہ لاڈ کیے ہیں۔''(۱۰) حج کے سفر ناموں کی روایتی تفصیلات اس حسنِ بیان سے عاری ہیں جو مفتی کا خاصا ہے مفتی کا مشاہدہ باطن ان کی طرزِ ادا سے مل کر قاری کو مسحور کر دیتا ہے اور وہ بیٹھے بٹھائے سرزمین حجاز میں جا پہنچتا ہے۔ ''یہ حج کے مروجہ سفر ناموں سے مختلف اور حاجیوں کے عمومی جذبات سے الگ تھلگ ایک ایسی کتاب تھی جس نے باطنی واردات کے انتہائی لطیف اور بسیط جذبات کو الفاظ کے پردے میں یوں سمویا کہ قلب ونظر آئینہ ہو کر رہ گئے۔''(۱۱) لبیک روحانی مشاہدات کا انوکھا اظہار ہے۔ اسلوب کے حوالے سے ایسی تحریر اردو ادب کا نادر اور کم یاب سرمایہ ہے جو تاریخ ادب میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔ کالے کوٹھے کی اصطلاح، قدرت اللہ کا ریزہ ریزہ ہونا اور ممتاز مفتی کے شدت احساس کا ماحول پر چھا جانا، واقعات کی معنویت اور پُر اسراریت کو نہ صرف عیاں کرتا ہے بلکہ دلچسپ بھی بناتا ہے۔

یہ اسرار مفتی پر کیسے کھلے کوئی شعبدہ بازی یا کتابوں سے پڑھی لکھی بات یا جادو منتر نہیں بلکہ ان کی

ذات کا سفر ہے۔ وہ ابتدا ہی سے نفسیات میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ ''علی پور کا ایلی'' میں ان کے نفسیاتی مشاہدات جابجا بکھرے پڑے ہیں۔ قدرت اللہ شہاب بھی ان کا نفسیاتی مشاہدہ ہے چونکہ شہاب کی شخصیت میں روحانیت کا پہلو ہے اس لیے ممتاز مفتی کی تحریروں میں روحانیت در آئی لیکن شہاب سے ملاقات سے کچھ عرصہ پہلے ہی وہ روحانی دنیا میں قدم رکھ چکے تھے جس کی پیش گوئی حاجی رفیع الدین بہت پہلے کر چکے تھے، جو دہلی کے بزرگ تھے۔ مفتی کو والدہ نے بیعت کے لیے ان کے پاس بھیجا جب انھیں پتہ چلا کہ بیعت کیا ہوتی ہے تو مفتی نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ حاجی صاحب مراقبے میں گئے اور مفتی کے مستقبل کی پیش گوئی کی:

> ''وقت آئے گا، ضرور آئے گا اور بہت اچھا ہوگا۔ بہت اچھا، ماشاءاللہ ایلی صاحب کے خیالات بہت بلند ہیں۔ ان شاءاللہ بہت اچھا ہوگا۔ گھبرائیں نہیں۔ ایک وقت آئے گا جب ایلی صاحب بہت اچھے لوگوں سے ملیں گے۔ ان کی خوشنودی حاصل ہوگی۔'' (۱۲)

مفتی نے نصف صدی کی زندگی اضطراب، بے چینی اور نفسیاتی مسائل میں بسر کی، عشق کیا تو ہمیشہ اپنے ضمیر کی آواز پر، لبیک کہا زمانے کی مخالفت سہ کر شادی کی۔ شہزاد کی وفات کے بعد زندگی کو نئی سمت مل رہی تھی جب پاکستان بنا تو مفتی کی ملاقات پاگ والے بابا سے ہوئی جس نے ایلی کا ماضی اور مستقبل کھول کر رکھ دیا۔ پاگ بابا جلال میں پیش گوئی کر رہا تھا۔ ''پھر میں کیا کروں، میں کیا کر سکتا ہوں، تم وہاں جاؤ نہ جاؤ جہاں تمہارا ناواں ہے دور بہت دور، رومی ٹوپی والا بڈھا بیٹھا ہے وہ تم ایسوں سے نپٹ لے گا۔ کنویں کے پاس، مسجد کے پاس ندی کے پاس، وہ بڈھا بڑا جبر دست ہے اور اس کا بالکا وہ لمبا ہی لمبا اور اونچے قد والا دونوں بیٹھے ہیں جہاں تم نے پہنچنا ہے جاؤ جاؤ، وہ چلایا۔'' (۱۳) اس سے قبل بھی مفتی کی زندگی میں مافوق الفطرات واقعات رونما ہوئے تھے۔ ایلی کا مختلف واقعات میں بحفاظت رہنا اور عکسی کا ماں کے پیٹ میں گل کر درویش کی دوا سے صحیح سالم پیدا ہونا انھی واقعات کا حصہ تھا۔ اب پاگ بابا نے جس رومی ٹوپی والے اور اُس کے لمبے بالکے کی طرف اشارہ کیا وہ سائیں اللہ بخش صاحب مزار اور خواجہ جان محمد بٹ تھے۔ پھر پاگ بابا نے مفتی کا ٹرک امرتسر سے کھیتوں میں ڈال کر بچایا۔ جب بلوائی حملہ کرنے کو تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کچھ عرصہ ممتاز مفتی لاہور میں مقیم رہے پھر راولپنڈی منتقل ہو گئے۔ اب ان کے روحانی سفر کی باقاعدہ ابتدا ہوئی۔ عزیز ملک جو صاحب طرز ادیب تھے انھوں نے ''مردِ قلندر'' کا تذکرہ ممتاز مفتی کو دی۔

یہ تحریر کرامات والقابات سے بوجھل نہیں تھی بلکہ اس کا طرزِ تحریر ادیبانہ تھا۔ اس میں سائیں اللہ بخش کے حالات تھے۔ عزیز ملک مفتی کو سائیں کے مزار پر لے گئے تو ان پر رقت طاری ہو گئی۔ انھیں پیش گوئیاں یاد آ گئیں۔ پاگ والے بابا نے بھی کہا تھا۔ پہاڑیوں پر بابا اس کا منتظر ہے حاجی رفیع الدین کی پیش گوئی بھی

تھی ۔مفتی کئی دن روتے رہے چھپ چھپا کے رونا تو رسم عاشقی تھی ۔مفتی کو تب تو رونا نہ آیا جب عشق تھا۔ اب رونا آیا تو سمجھ نہ پائے کہ کیوں آرہا ہے۔پھر خواجہ جان محمد بٹ عرف بھائی جان سے ملاقات ہوئی تو مفتی کو حیرت آمیز خوشی ہوئی۔ بھائی جان مفتی کے بقول بزرگ نہیں بلکہ انسان تھے۔ بزرگ اور انسان ان کے نزدیک دو مختلف چیزیں ہیں بزرگ ڈراتا ہے اور انسان محبت کرتا ہے''سائیں اللہ بخش میں شدت تھی، جذبہ تھا، دبا دبا غم وغصہ تھا۔اپنی طاقت پر مان تھا۔ بھائی جان میں ہوش مندی تھی اور سب سے بڑی بات یہ کہ توازن تھا۔ بھائی جان کی شخصیت کا بنیادی جزو انسانیت تھا۔''(۱۴) رقت ختم ہوئی تو مفتی کی زندگی میں اللہ داخل ہو گیا۔انھیں تمام مظاہر میں اللہ نظر آنے لگا۔ یہ صورتِ حال مفتی کے لیے پریشان کن تھی۔مفتی اس اللہ کو جانتا تھا جو بات بات پر ناراض ہو جاتا بہت ہی زود رنج تھا۔کبھی خوش نہ ہوتا اور یہ کیفیت صرف مفتی کے لیے تھی ۔اسے بچپن سے اللہ کا یہی تصور ملا کہ یہ کیا تو اللہ ناراض ہو جائے گا وہ کیا تو اللہ ناراض۔ لیکن صرف مفتی سے، بڑوں سے اللہ ناراض نہیں ہوتا تھا صرف چھوٹوں پر دھونس چلتی۔اللہ کا خیال مفتی کے لیے تکلیف دہ ہو گیا۔پھر مولوی سے پڑھنے گئے تو اس نے ناراضی کے ساتھ آگ کا بھی اضافہ کر دیا تھا۔ مولوی اور اساتذہ کے لہجے بھی کرخت تھے۔اللہ کے اس تصور کا نتیجہ یہ ہوا کہ مفتی اللہ سے گریزپا ہو گیا۔اب اس عمر میں اللہ کا احساس مفتی کے لیے مختلف تھا لیکن ''سرکار قبلہ'' اور کرم نوازی کا مفہوم ایک معمہ تھا۔مفتی کو ''فیضانِ نظر'' پر یقین نہیں آرہا تھا۔الکھ نگری میں بزرگوں کے حوالے سے بہت سے دلچسپ واقعات ہیں۔ بہت سی روحانی کیفیات کی قدرت اللہ شہاب کے حوالے سے وضاحت کی ہے مثلاً تندخو بزرگ کے متعلق کہ ''جب ولایت ملتی ہے تو حسیات تیز ہو جاتی ہیں،اور فرد کی جتنی بھی خصوصیات ہوتی ہیں، وہ سب میگنی فائی ہو جاتی ہیں۔''(۱۵) بزرگ جب چھلکن کی کیفیت میں ہوتا ہے تو ضبط کے باوجود چھلکتا ہے۔ چھینٹے اڑتے ہیں۔کبھی کبھی قدرت پر بھی چھلکن کی کیفیت ہوتی اور وہ بہت کچھ کہہ جاتا۔کبھی روحانیت میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی واقعہ اتفاقاً وقوع پذیر نہیں ہوتا بلکہ اس کے پیچھے قوت ہوتی ہے جو مثبت یا منفی عمل کرواتی ہے اس سے کچھ سکھانا یا آزمائش مقصود ہوتی ہے جنھیں شہاب ''دی فورسز بی یانڈ'' کہتا ہے۔ممتاز مفتی کے لیے روحانی دنیا بڑی عجیب ہے۔ایڈووکیٹ غفور جب بتاتا ہے کہ زائرین کی لسٹ میں آپ کا نام نہیں آپ حج پر نہیں جا سکتے تو مفتی کو بڑی حیرت ہوئی کہ قرعہ اندازی سے پہلے انھوں نے لسٹ کیسے دیکھ لی جب کہ مفتی نے بیروت سے شہاب کے ساتھ جدہ جانا تھا۔ یہی ایڈووکیٹ غفور صدر ایوب کو خط لکھ کر روحانی رہنمائی کرتے رہے اور ارباب بست وکشاد کی ہدایات پہنچاتے رہے لیکن صدر پر کوئی اثر نہ ہوا۔۱۹۶۵ء کی جنگ بندی کی بھی غفور صاحب نے مخالفت کی تھی جس پر عمل نہ ہوا ورنہ کشمیر پاکستان کا حصہ ہوتا۔یہی ایڈووکیٹ غفور تھے جو ایک سال تک نمازِ شب میں قدرت اللہ شہاب کے لیے اولاد کی دعا کرتے رہے۔پھر ایک دن

ان کی جھولی میں ایک بچہ ڈال دیا گیا۔ خواجہ جان محمد بٹ بھی قدرت اللہ شہاب کو بہت اہمیت دیتے۔ انھوں نے ڈاکٹر عفت کو کالی مرچیں دم کر کے دیں ویسے وہ خواتین سے نہ ملتے، نہ کسی کو دم کرتے لیکن عفت پر توجہ مرکوز رکھی۔ اب ایک روحانی حلقہ ممتاز مفتی کے اردگرد موجود تھا جن میں قدرت اللہ، خواجہ جان محمد بٹ، ملک عزیز، غلام دین وائی اور راجہ شفیع شامل تھے ان سب میں قدرت اللہ کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ مزار پر سائیں اللہ بخش نے ان کی دستار بندی بھی کی۔ ممتاز مفتی ابھی تک حیرت کا اظہار کر رہے تھے کہ یہ کیسی دنیا ہے جہاں لوگ موت کے بعد بھی متحرک رہتے ہیں۔ اپنے تجسس کے باعث، مفتی شہاب میں دلچسپی رکھتے تھے۔ شہاب کی شخصیت کے اسرار ان کے لیے باعثِ کشش تھے۔ شہاب اپنی شخصیت کے روحانی پہلو کو چھپا کے رکھتے لیکن ممتاز مفتی پھر بھی انھیں کچھ نہ کچھ کہنے پر مجبور کر دیتے۔ مفتی کو قدرت اللہ شہاب سے دلچسپی ان کی سول سروس یا بزرگی کی وجہ سے نہ تھی بلکہ وہ شہاب کے کردار سے متاثر تھے۔ نیز شہاب کی انکساری، جذبۂ ہمدردی اور وسیع القلبی مفتی کو بہت پسند تھی یوں ان دونوں میں ایک روحانی تعلق قائم ہو گیا۔ مفتی، شہاب کے اوایس ڈی مقرر ہوئے تو انھیں شہاب کے قریب رہنے کا موقع ملا۔ الکھ نگری کا سب سے بڑا موضوع شہاب کے روحانی پہلو کا احساس و مشاہدہ ہے۔ اشفاق احمد تو بہت پہلے سے شہاب کے قریبی دوست تھے اور غالباً ان کی شخصیت کے پُراسرار پہلو سے باخبر تھے۔ اشفاق میں جذب کی صلاحیت تھی اس لیے کبھی اس راز کو زبان پر نہ لائے سوائے چند ایک مواقع کے، ان کی بھی انھوں نے بعد میں تردید کر دی جس کا مقصد صرف قدرت اللہ کا راز رکھنا تھا۔ لیکن ممتاز مفتی نے شہاب کو موضوع بنائے رکھا یہ ان کی طبیعت کا خاصا تھا۔ اس مشاہدے نے مفتی کی روحانی تحریروں میں جان ڈال دی بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ مفتی کی متصوفانہ تحریروں کا مرکز ہی شہاب کی ذات کے مشاہدات ہیں۔ اشفاق، مفتی اور شہاب مل کر نور بابا کے ڈیرے پر بھی جاتے رہے۔ جب اشفاق کے بیعت ہونے کی افواہ گرم تھی تو مفتی کے بقول شہاب بہت بے قرار ہوئے وہ اشفاق کو نور بابا کی بیعت سے روکنا چاہتے تھے ممتاز مفتی اس راز سے پردہ اٹھاتے ہیں:

"اسے میری طرف سے کہیں کہ نور بابا ایک Pedestrain ہے۔
"وہ کیا ہوتا ہے۔ آپ کا مطلب ہے پیدل ہے۔ گھڑسوار نہیں قدرت مسکرایا۔" (۱۶)

مفتی نے یہ بات بانو کو بتا دی لیکن اشفاق، قدرت اللہ کی موجودگی میں نور بابا کی باتیں زیادہ جذبے سے سنانے لگے پھر کچھ ہو گیا۔

"بانو پر دفعتاً انکشاف ہوا کہ قدرت اللہ ایک بڑا بزرگ ہے۔ بانو کے بچے عقیدت سے چھلکنے لگے، "قدرت نے اپنا گھمنڈ" اتار دیا۔ جب بھی قدرت اللہ لاہور جاتا تو بانو، شتو،

سیری، مسز چٹھہ، بانو کے تمام بیٹے بہویں سب قدرت کے اردگرد گھیرا ڈال کر بیٹھ جاتے
پھر مسئلے مسائل چل پڑتے۔سوال پوچھے جاتے۔قدرت ان سوالات کے جواب دیتا۔
بات کی وضاحت کرتا۔نقطے حل کرتا۔"(۱۷)

شہاب، مفتی کو ذکر وفکر کی طرف مائل کرتے رہے لیکن مفتی کسرِ نفسی سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ پاکیزگی میرے مقدر میں نہ تھی۔ممتاز مفتی یا تو تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہیں یا پھر ان کے احساسِ گناہ میں اتنی شدت ہے، اس قدر ندامت ہے جو اللہ کو بہت پسند ہے۔ایک طویل عرصے تک "اللہ" مفتی کی تحریر کا مرکز ومحور رہا تو یہ اللہ سے دوری کی صورت میں نہیں قرب کی صورت میں ممکن تھا۔اللہ کے قرب کے کئی راستے ہیں۔ممتاز مفتی ایک راست باز اور پاک دل انسان ہیں اپنی کمیوں کوتاہیوں کے اعتراف میں انھیں باک نہیں۔آخر مفتی کا سفر یوں منزل سے ہم کنار ہوا کہ قدرت اللہ نے ان کی ڈیوٹی ایک بے سہارا تعلیم یافتہ لڑکی کی مدد کرنے پر لگا دی۔مفتی کو اپنی ہوش نہ رہی دن رات اس کی نوکری اور شادی کی فکر میں رہتے۔اس پر اتنی روک ٹوک کرتے کہ وہ خود بھی تنگ آجاتی۔مفتی کا گھر ناراض ہو گیا، دوست حیران رہ گئے کہ مفتی کو اس عمر میں کیا ہو گیا۔تین سال خود کو لڑکی کا خدا سمجھتے رہے لیکن نیت نیک تھی مفتی بے حال ہو گئے آخر بانو قدسیہ کو مفتی پر ترس آگیا۔

"ایک روز بانو، شہاب کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی۔کہنے لگی اب بس کیجیے شہاب بھائی مفتی کی تو ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔شہاب نے کہا مجھے بھی ترس آنے لگا ہے۔"(۱۸) پھر اس لڑکی کو ورلڈ بنک کے ریسرچ سیل میں نوکری مل گئی اور "خدا اکیلا رہ گیا۔" مفتی نے شہاب کی منت کی کہ مجھے دیوانگی کے چکر سے نکال دیں یہ خدمت ذات سے رہائی کا موقع تھا جسے مفتی نے ضائع کر دیا۔وہ لڑکی کو کامیاب کروانے کے چکر میں تھے، ہار نہ مان سکے پھر شہاب نے انھیں ایک وظیفہ بتایا تو مفتی کو ذات کے پنجرے سے رہائی ملی
"دو مہینے کے بعد ایک روز بیٹھے بیٹھے میں نے محسوس کیا جیسے میرے سر کا بوجھ اتر گیا ہو۔میں ہلکا پھلکا ہو گیا جیسے میں نے نیا جنم لے لیا ہو۔قدرت کو فون کیا۔میں نے کہا مبارک ہو، کہنے لگا کس بات کی مبارک؟ میری رہائی کی مبارک شہاب صاحب میں آزاد ہو گیا ہوں بولا، اب ایک وعدہ کیجیے۔اب خدمت کرنی ہو گی۔جہاں تک ہو سکے۔احسان کیے بغیر، جتائے بغیر عمر بھر، الٹا خود کو اس کا احسان مند سمجھنا ہو گا۔"(۱۹)
مفتی کا کہنا ہے کہ میں نے شہاب کو بہت کریدا لیکن میں کچھ جان نہ پایا صرف اتنا جان سکا کہ وہ حضور ﷺ کا ایک ادنیٰ غلام ہے اس کی کوئی منزل ہے اسی لیے اسے رکاوٹیں آتی ہیں۔"کسی عظیم شخصیت کے لیے جگہ بنانے بھیجا گیا ہے کہ جا، جا کر دریاں بچھا، کرسیاں لگا، ڈائس سجا، کہ اسے سرزنشیں ہوتی ہیں۔ہدایات ملتی ہیں۔"(۲۰) مفتی کی پاکستان کے متعلق تحریروں سے یہ راز عیاں ہوتا ہے کہ پاکستان کی عالم اسلام میں بڑی

اہمیت ہو گی اور آنے والے دور میں پاکستان مسلمانوں کا مرکز ہو گا۔ڈاکٹر نجیبہ عارف مفتی کے مضمون" جائے پناہ سے جائے امتیاز" پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ اس میں مفتی نے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے ۱۸۵۷ء میں تھانہ بھون کے علاقے میں خود مختار اسلامی ریاست کے قیام اور اس کی ناکامی کا ذکر کیا ہے، جس پر ایک مجذوب نے انھیں کہا تھا کہ جو بیج تو نے بویا ہے نوے سال بعد اس سے پودا پھوٹے گا" اسی طرح انھوں نے اور بھی کئی بزرگوں، جن میں مریٹر کے سائیں اللہ بخش بھی شامل ہیں کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب پاکستان کو نہ صرف عالم اسلام بلکہ اقوام عالم میں ایک ممتاز مقام حاصل ہو گا۔پاکستان آنے والے سنہری دور یا نشاۃ ثانیہ کا مرکز ہو گا اور مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق امام مہدیؑ کا پایہ تخت یہی ملک ہو گا۔"(۲۱) سائیں اللہ بخش کی ایک نظم جو الکھ نگری میں شامل ہے اس میں بھی امام مہدیؑ کے ظہور کی بشارت ہے۔"رام دین" کے مضامین" پاکستان" اور" جائے پناہ سے جائے امتیاز" میں صوفیانہ رنگ ہے۔"تلاش" میں ممتاز مفتی کا سفر جنس، نفسیات، صوفیانہ تجسس اور وسیع المشربی سے ہوتا ہوا، اسلام پر آکر منتج ہوتا ہے۔اب انھیں اقبالؒ کی تقلید میں تصوف کی خامیاں بھی نظر آتی ہیں۔تلاش میں مفتی قرآن پاک کی طرف راغب ہیں۔اب وہ تصوف، سائنس انسان اور اس کے مسائل اور کائنات کو قرآن پاک کے تناظر میں دیکھتے ہیں گویا انسانیت کو عظمتِ قرآن کا احساس دلانا چاہتے ہیں۔"تلاش" مفتی کی تلاش کی آخری کڑی ہے عکسی مفتی نے لکھا ہے"ممتاز مفتی کی زندگی دراصل ایک طویل تلاش ہے۔ان کی آخری تصنیف کا نام بھی"تلاش"۔۱۹۰۵ء سے لے کر ۱۹۴۵ء تک جو کچھ ان پر بیتا اس کا نام ایلی رکھا۔۱۹۵۰ء سے ۱۹۹۰ء تک کی آپ بیتی کو الکھ نگری کا نام دیا۔یہ دوسرا حصہ ممتاز مفتی کا عالم الغیب کا سفر نامہ ہے۔لبیک اور الکھ نگری دراصل تلاشِ خدا کی روئیداد ہے۔دونوں ہی ممتاز مفتی کی تلاش ہیں۔"(۲۲) ممتاز مفتی نے بھرپور زندگی بسر کی اور روحانیت کی طرف بھی مائل رہے یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ جوانی میں دنیا کی محبت رکھنے کے باوجود وہ رزقِ دنیا نہ ہوئے بلکہ روحانی لوگوں سے ملاقات کے بعد وہ دنیا سے بے نیاز ہو چکے تھے۔وہ اپنی تلاش میں کامیاب رہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) ممتاز مفتی، لبیک، لاہور: اسلم عصمت پرنٹرز، ۱۹۹۸ء، ص ۶۵
(۲) ایضاً، ص ۶۶
(۳) ذوالفقار احمد تابش، تعارف، مشمولہ: لبیک، ایضاً، ص ۳۱۳
(۴) مسعود قریشی، احرام تلے، مشمولہ: مفتی جی، ڈاکٹر ابدال بیلا، (مرتبہ) لاہور: فیروز سنز، ۱۹۹۸ء، ص ۴۲۵
(۵) نذیر احمد، تعارف مشمولہ: لبیک، ایضاً، ص ۳۱۰
(۶) ایضاً، ص ۱۹۷
(۷) ممتاز شاہین مظہر، مفتیریا، مشمولہ: مفتی جی، ایضاً، ص ۵۶۶
(۸) لبیک، ایضاً، ص ۳۳۴
(۹) لبیک، ایضاً، ص ۳۰۵
(۱۰) ایضاً، ص ۱۶
(۱۱) ڈاکٹر نجیبہ عارف، پاکستانی ادب کے معمار (ممتاز مفتی: شخصیت اور فن)، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۷ء، ص ۱۰۷
(۱۲) ممتاز مفتی، علی پور کا ایلی، لاہور: تعریف پرنٹرز، ۱۹۹۸ء، ص ۹۸۶
(۱۳) ایضاً، ص ۱۱۸۳
(۱۴) الکھ نگری، ایضاً، ص ۴۱۶
(۱۵) ایضاً، ص ۵۱۹
(۱۶) ایضاً، ص ۹۲۳
(۱۷) ایضاً، ص ۹۲۴
(۱۸) ایضاً، ص ۱۰۲۷
(۱۹) ایضاً، ص ۱۰۲۸
(۲۰) ایضاً، ص ۹۳۳
(۲۱) ممتاز مفتی، فن اور شخصیت، ایضاً، ص ۱۳۶
(۲۲) عکسی مفتی، ممتاز مفتی کی یاد میں، مشمولہ: تلاش، ممتاز مفتی، لاہور: زاہد بشیر پرنٹرز، ۱۹۹۹ء، ص ۱۸

❁❁❁